مولانا عبید اللہ سندھی

ایک تبصرہ پر تبصرہ

(۷)

مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی ایم اے ریڈر عربی دہلی یونیورسٹی

قرآن مجید کے الفاظ و معانی کے باہمی ربط و تعلق کو کلام الٰہی کی حیثیت سے عقلی طور پر سمجھنا اور سمجھانا نہایت مشکل کام ہے۔ مولانا سندھی کے بعض الفاظ سے فاضل ناقد کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ مولانا غالباً فقط معانی کو ہی قرآن سمجھتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔

"وہ تو معانی کو ہی قرآن سمجھے گا۔ اس فقرہ سے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں کچھ اور تو نہیں مراد لیا جا رہا ہے" (معارف ص ۱۸۰)

حالانکہ یہ شبہ صحیح نہیں ہے مولانا سندھی ایک سچے اور پکے مسلمان کی طرح قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں کو کلام الٰہی یقین کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود الفاظ اور معانی میں ملبوس اور لباس کی جو نسبت ہے اس کا لحاظ رکھتے ہیں اور گویا اس طرح وہ ان علماء کے خلاف احتجاج کرتے ہیں جنھوں نے اپنی توجہ کو زیادہ تر قرآن کے الفاظ پر ہی مرکوز رکھا ہے، یہاں تک کہ قرآن مجید میں قرآن کی کسی سورت کا مثل لانے کی جو تحدی کی گئی ہے تو ان علماء کا اس بارہ میں خیال یہ ہے کہ یہ تحدی نظم قرآن کے اعتبار سے ہی ہے۔ مولانا سندھی کا اس معاملہ میں خیال یہ ہے کہ معانی مقدم ہیں اور الفاظ موخر۔ اس بنا پر تحدی میں بھی زیادہ زور معانی پر ہے۔ اگرچہ قرآن کے الفاظ بھی کلام الٰہی ہونے کے باعث متحدیٰ بہ ہیں —

ہمارے استاذ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تحدی معانی والفاظ دونوں کی حیثیت سے مانتے تھے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ اس قدر پیچیدہ اور نازک مسئلہ ہے کہ میں عقلی طور پر اس پر گفتگو کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ ڈرتا ہوں کہ مبادا قلم سے کوئی ایسی بات نکل جائے جس پر آخرت میں پکڑ ہو، تاہم اپنے مکرم دوست سے درخواست کروں گا کہ وہ اس باب میں حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی ؒ کی تقریر الخیر الکثیر ص ۳۲ و ۳۴۔ اور پھر صفحہ ۱۰۰۔ اور تفہیمات الہیہ ص ۱۸۵ ملاحظہ فرمائیں ممکن ہے کہ اس طرح فکر میں کچھ وسعت پیدا ہو اور مولانا سندھی کے بعض الفاظ سے انھیں جو توحش پیدا ہو گیا ہے وہ کم ہو جائے۔ راقم الحروف نے وحی الٰہی کی تصنیف کے زمانہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے ان ارشادات کی روشنی میں مہینوں اس پر غور کیا ہے اور خود اچھی طرح اس کو سمجھ کر متعدد بار لکھنے کی کوشش کی، مگر جب کبھی اس ارادہ سے قلم اٹھایا دل کے اندر سے کسی نے فوراً کہا۔

تو کار زمیں را نکو ساختی کہ با آسماں نیز پرداختی

اور میں نے قلم وہیں رکھ دیا۔ خود حضرت شاہ صاحبؒ بھی سب کچھ لکھنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ انت اعلم بغیب السموات والارض (الخیر الکثیر ص ۱۰۰)

مولانا سندھی کا کمال یہ ہے کہ چونکہ حضرت شاہ صاحبؒ ان کے جسم و جان پر چھائے ہوئے ہیں اس لئے وہ ان مسائل پر بھی غور کرتے ہیں اور پھر اپنے یقین اور وثوق کی بنا پر جو سمجھتے ہیں وہ بے جھجک کہہ بھی گذرتے ہیں۔

دینِ الٰہی | خلقِ قرآن کے علاوہ جس پر زیادہ لے دے کی جاتی ہے وہ مولانا کا خیال دینِ الٰہی سے متعلق ہے۔ قبل اس کے کہ اس پر گفتگو کی جائے یہ عرض کرنا مناسب ہے کہ جب مولانا کا ایک ناتمام سا مقالہ جو بعد میں شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک کے نام سے چھپکر ہمارے پاس بغرض تبصرہ آیا تو خود اس خاکسار نے برہان بابت جنوری ۴۳ء میں اس پر تبصرہ کرتے

ہوئے دینِ الٰہی سے متعلق حسب ذیل لفظوں میں اظہار خیال کیا تھا۔

"لیکن کتاب کے صفحہ ۱۰۵ پر مولوی نور الحق کا یہ جملہ "ہماری رائے میں جو کام اکبر نے شروع کیا وہ اساساً صحیح تھا" دیکھکر ہم کو نہ صرف تعجب بلکہ حد درجہ افسوس بھی ہوا معلوم نہیں اکبر کے اس کام میں مشرکہ عورتوں سے خود اپنی اور شہزادوں کی شادی کرنا بھی داخل ہے یا نہیں۔ دینِ الٰہی سے متعلق ملا عبد القادر بدایونی نے اپنی تاریخ میں جو کچھ لکھا ہے اگر اس سے صرف نظر کر لیا جائے تب بھی خود حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات اور ابو الفضل کے رقعات سے اس دین کے متعلق جو معلومات حاصل ہوتی ہیں ان کے پیشِ نظر اکبر کے فعل کو اساساً صحیح کہنا تو کجا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اکبر مسلمان بھی تھا یا نہیں۔ اگر اس جملہ کا انتساب مولانا (سندھی) کی طرف صحیح ہے تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ ایک انتہائی مخلص اور ذہین وطباع اور مجاہد ہونے کے باوجود مولانا کی چند اسی قسم کی "ماوراء عقل" باتیں ہیں جنھوں نے آج تک مولانا کو کسی جماعت کا قائد نہیں بننے دیا اور مسلمانانِ ہند اجتماعی حیثیت سے مولانا کے شمعِ افکار سے اپنے ظلمت خانۂ قلب و دماغ کو روشن کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے"[۱] (برہان جنوری ۱۹۴۳ء)

---

[۱] مولانا سندھی برہان میں اس تبصرہ کے چھپنے کے وقت سندھ میں تشریف رکھتے تھے کچھ دنوں بعد جب وہ دہلی آئے اور مجھکو شرفِ ملاقات حاصل ہوا تو مولانا نے مجھے دیکھتے ہی سینہ سے لپٹا لیا اور فرمایا کہ "برہان میں تمہارا تبصرہ پڑھکر تمہاری وقعت میری نظر میں دوچند ہوگئی کیونکہ تم کو مجھ سے جو اخلاص و محبت ہے اس کا مجھکو پورا علم اور احساس ہے۔ اس کے باوجود تم کو میرے جس خیال سے اختلاف تھا اس کو تم نے برملا ظاہر کر دیا۔ یہ تمہاری صاف گوئی اور صفائی باطنی کی دلیل ہے"۔

ہائے افسوس! کہ اب ایسے عالی حوصلہ شفیق بزرگ کہیں نظر نہیں آتے۔

ولیست عشیات الحمی برواجع علیک ولکن خلِ عینیک تدمعا

اس معاملہ میں اکبر کی طرف سے میرے دل میں جو شدید نفرت اور غم و غصہ ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

وہ بات تو خیر آئی گئی ہو گئی! لیکن یہ خلش ہمیشہ رہی کہ مولانا عبید اللہ سندھی ایسا متبحر عالم جس کا تصلب فی الدین مجھے روز روشن کی طرح معلوم تھا اور جو حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ الدہلویؒ دونوں کو اپنا امام بھی مانتا تھا وہ کیونکر اکبر کا اس معاملہ میں کسی حیثیت سے بھی مداح ہو سکتا ہے۔

اکبر کے دینِ الٰہی اور اس عہد کے خاص حالات کے متعلق ابھی حال میں جو تحقیقات انگریزی زبان میں ہوئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اکبر آخر عمر میں تائب ہو گیا تھا اور اس نے مرتے وقت سورہ یٰسٓ بھی سنی تھی۔ پھر خاص دینِ الٰہی کی نسبت بھی جیسا کہ مسٹر مکھن لال چودھری نے اپنی کتاب میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دینِ الٰہی دراصل اسلام کی ہی ایک "اجتہادی شکل" تھی۔

پروفیسر سری رام شرما نے بھی اپنی کتاب The Religious policy of the great Mughals میں اکبر کو مسلمان ثابت کیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ سب صحیح ہو اور اکبر واقعی آخر میں اپنی لغو اور مضحکہ انگیز حرکات سے تائب ہو گیا ہو، اور یہ بھی درست ہو کہ جیسا کہ اس نے عبد اللہ خاں اوزبک والی توران کو ایک خط میں لکھا ہے، اس نے خدائی کا دعویٰ نہ کیا ہو، لیکن ان سب باتوں کے باوجود دینِ الٰہی کے متعلق کوئی صفائی پیش نہیں کی جا سکتی اور اس کا جو ہیولیٰ مجرد عن الصورۃ الجسمیہ ہمارے سامنے آتا ہے اسے کسی حیثیت سے بھی اسلام سے قرین نہیں کہا جا سکتا۔ ان وجوہ کی بنا پر دینِ الٰہی سے متعلق مولانا سندھی کا ارشاد برابر دل میں خار

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ گذشتہ سال دہلی کے ایک کالج میں ایک پبلک جلسہ تھا۔ میں اس میں ایک تاریخی موضوع پر تقریر کرنے والا تھا۔ مجھ سے پہلے خواجہ حسن نظامی کی تقریر ہوئی، اور اس میں انھوں نے کہا کہ "اکبر اور دارا شکوہ تو اورنگ زیب عالمگیرؒ سے بھی زیادہ پکے مسلمان صوفی تھے" میں یہ سنکر غصہ کو ضبط نہ کر سکا اور کارکنانِ جلسہ سے صاف کہدیا کہ جس جلسہ میں اس قسم کی مہمل باتیں کہی جائیں میں اس میں کوئی تقریر نہیں کر سکتا" اس پر مجمع میں سخت اضطراب پیدا ہو گیا۔ کارکنوں نے کھلے لفظوں میں معذرت کی اور سخت افسوس کا اظہار کیا تب میں نے تقریر کی۔

بنکر کھٹکتا رہا اور میں غور کرتا رہا کہ مولانا کے تخیل کا پس منظر سمجھ سکوں۔ اس راہ میں سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ دینِ الٰہی سے متعلق تاریخی طور پر مجھکو جو کچھ معلوم تھا میں اس میں اور مولانا کے ارشادمیں تطبیق کی کوشش کرتا تھا اور اس میں ناکامی ہوتی تھی۔ اب مولانا کے افکار کا یہ مجموعہ نظر سے گذرا اور اطمینان سے اس پر غور کرنے کا موقع ملا تو مولانا کا نقطۂ خیال واضح ہوا جسے میں ذیل میں بیان کرتا ہوں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اور علوم کی طرح مولانا کا تاریخ کا مطالعہ بھی کافی وسیع اور ہمہ گیر ہے لیکن میرا اپنا ذاتی خیال یہ ہے کہ مولانا تاریخ کا مطالعہ ایک مورخ کی حیثیت سے نہیں کرتے۔ ہر چیز کے متعلق ان کا ایک مخصوص مرتب اور منظم فکر ہے اور وہ اس فکر کی روشنی میں ہی تاریخ کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔ پھر یہ جو چیزیں ان کو اس فکر کے لئے مددگار اور موید نظر آتی ہیں ان کو چن لیتے ہیں اور ان کو اپنے فکر کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ گویا اس طرح مولانا تاریخ سے ایک خادم یا مددگار کا کام لیتے ہیں۔ اسے مقصود بالذات سمجھکر فنی اصول و قواعد کا زیادہ لحاظ نہیں رکھتے۔ رہا خود ان کا بنیادی فکر! تو اس کو وہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصنیفات وارشادات پر قائم کرتے ہیں۔

چنانچہ دینِ الٰہی کے معاملہ میں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ سے انھوں نے وحدت الوجود اور وحدتِ ادیان کا تخیل لیا۔ اور اس کے بعد انھوں نے ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالی تو انھیں یہ محسوس ہوا ہوگا کہ ہندوستان میں آکر مسلمان بادشاہوں کو یہاں کے لوگوں کے اختلافِ مذہب اور اس مذہب میں ان کے تشدد اور سخت تنگ نظری کے باعث ملکی انتظام وانصرام میں سخت دشواریاں پیش آتی تھیں۔ اکبر اپنی لاعلمی و نادانی اور مشیران کار کی بے راہ روی کی وجہ سے جس عظیم گمراہی کا شکار ہوگیا اس سے بہت پہلے قریب تھا کہ دوسرے مسلمان بادشاہ بھی شکار ہوجاتے۔ چنانچہ ضیاء الدین برنی کا سلطان علاء الدین خلجی کے متعلق بیان ہے کہ

سلطان علاء الدین خلجی بادشاہے بود	سلطان علاء الدین خلجی ایک بادشاہ تھا
کہ خبر از علم نداشت و با علما او را وقتے	جو علم کی کچھ خبر رکھتا تھا اور نہ علماء کے
نشست و خاست نبودہ است و چوں	ساتھ اس کا اٹھنا بیٹھنا تھا۔ وہ جب بادشاہ
در بادشاہی رسید در دل از ہمچنیں نقش بستہ	ہوا تو اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ
کہ ملک داری و جہاں بانی علیحدہ کارے	ملک داری اور جہاں بانی ایک الگ کام
است و روایت و احکام شریعت علیحدہ	ہے اور شریعت کے احکام اور روایت
امریست و احکام بادشاہی بہ بادشاہ	ایک جداگانہ امر ہے۔ بادشاہی کے معاملات
متعلق است و احکام شریعت بروایت	بادشاہ سے متعلق ہیں اور شریعت کے احکام
قاضیاں و مفتیاں مفوض است و بر حکم	قاضیوں اور مفتیوں کے سپرد ہیں۔ اس
اعتقاد مذکور ہر چہ در کار ملک داری او را	اعتقاد کی بنا پر ملک داری کے معاملات میں
فراہم آمدے و صلاح ملک دراں دیدے	اس کی جو رائے ہوتی تھی اور جس میں وہ ملک
آں کار خواہ مشروع و خواہ نا مشروع	کی بھلائی دیکھتا تھا وہ خواہ شرعاً جائز ہو یا
بکردے و ہرگز در امور جہاں داری خود	ناجائز بہر حال اسے کر گذرتا تھا اور جہاں داری
مسئلہ و روایتے نپرسیدے"	کے معاملات میں کبھی وہ کوئی مسئلہ اور روایت
[۵۱]	نہیں پوچھتا تھا"

وہ تو خدا کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے قاضی مغیث کو جنھوں نے افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر پر عمل کرتے ہوئے علاء الدین خلجی کو اس گمراہی پر برملا ٹوکا اور اس طرح ایک اسلامی سلطنت کو تباہ ہونے سے بچا لیا۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اگر اس کے مشیران کار بھی ابوالفضل و فیضی اور اس کے مذہبی رہنما حاجی ابراہیم سرہندی، قاضی خان بدخشانی اور شیخ امان پانی پتی جیسے لوگ ہوتے تو کون کہہ سکتا ہے کہ سلطان علاء الدین خلجی کا

۵۱ تاریخ فیروز شاہی ص ۳۸۸۔

یہ جذبۂ انانیت مذہب اور تصوف کا غلاف اوڑھ لیتا تو دینِ الٰہی جیسے کسی مضحکہ انگیز اور نہایت ملعون و نامعقول مشرب کی ایجاد کا سبب نہ بنتا۔

جہاں تک ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت و سلطنت کی توسیع اس کے استحکام اور دبدبۂ وجلال کا تعلق ہے سلطان علاء الدین خلجی اور اکبر دونوں ایک ہی ترازو کے دو پلڑے نظر آتے ہیں لیکن اول الذکر علماءِ حق کی جرأتِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی بدولت اس افسوسناک گمراہی سے بچ گیا جس کا شکار ہمایوں ایسے فرشتہ خصلت باپ کا بیٹا اکبر ہوا۔ جو اگرچہ بار بار خطوط میں عقل کو "نورِ خداوندی" کہتا ہے مگر اس کے باوجود زعفرانی اور لال کپڑے پہن کر اور اپنے آپ کو "مرشدِ روحانی و جسمانی" کہلا کر اپنی بے عقلی کا نہایت افسوسناک مظاہرہ کرتا ہے اور ایک عالم کو اپنے اوپر ہنسنے کی دعوت دیتا ہے۔

زشت روئی سے تری آئینہ ہو رسوا تیرا

بعض لوگ علاء الدین خلجی کی نسبت بھی یہ رائے رکھتے ہیں کہ اکبر کی طرح وہ بھی ملک رانی اور جہانداری میں مشروع و نامشروع کا لحاظ نہیں رکھتا تھا اور اسی بنا پر اس کی حکومت کو جاہ و جلال نصیب ہوا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اکبر پر خودداری اور خودسری کا ایسا بھوت سوار تھا کہ اس کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا تھا۔ چنانچہ قطب الدین خاں کوکہ اور شہباز خاں ایسے اس کی ناشائستہ حرکتوں اور خام خیالیوں پر ٹوکتے ہیں تو وہ ان دونوں کو حیلہ بہانہ سے کام لیکر مطمورۂ عدم میں دفن کرا دیتا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف فتوحاتِ فیروز شاہ میں قاضی مغیث اور علاء الدین خلجی کا مفصل مکالمہ اور اس کے علاوہ دوسرے علماء سے اس کی بات چیت پڑھئے تو صاف معلوم ہوگا کہ یہ علماء کس جرأت اور بیباکی سے گفتگو کرتے ہیں یہانتک کہ قاضی مغیث ایک دن بادشاہ سے گفتگو کرنے آئے تو مرنے کی پوری تیاریاں کر کے آئے تھے۔ گھر والوں سے رخصت ہوئے اور وصیتیں وغیرہ جو کچھ کرنی تھیں وہ بھی کرتے آئے تھے، لیکن اس کے باوجود بادشاہ صبر و تحمل سے ان کی گفتگو سنتا ہے اور پیشانی پر غیظ و غضب